رومی اور اقبال

(نظم پیر و مرید کے آئینے میں)

ڈاکٹر بادشاہ منیر بخاری، شعبہ اردو جامعہ پشاور، پاکستان

ڈاکٹر انوار الحق، شعبہ اردو جامعہ پشاور، پاکستان

ABSTRACT:

. Dr.Iqbal had a very intense devotion for Molana Romi, which could be clearly seen in his poetical work that was deeply influenced by Roomi's reflections. Iqbal glorified Romi both in prose and poetry and a very well-known poem of Dr. Iqbal, Peer.o.Mureed can be mentioned in this regard. The dramatic technique of Peer.o.Mureed has played an important role to attract the attention of literary circles. The poem Introduce two characters i.e. A saint/Peer who portrays Romi and his disciple/Mureed that is the poet (Iqbal). The whole poem contains 24 dialogues between the saint and his disciple in total. The poem draws light upon Iqbal's vast vision by his questions which are about Jihaad or the holy struggle in life, human being, Destinism, the day of judgment, the existence of soul and heart and the reality of Islam. Moreover the poet inquires about self control, subjugation of the universe, abasement of Muslims, dictatorship Patriotism, nationalism, monarchy, Marxism Fascism, anti religious approach in European civilizations ,vulgarity in their culture, Inactivity and passivity of Muslims ,imitation of the Western world, and the reality of self awareness etc. Whereas Molana Romi responds to each question in a scholarly and philosophic manner. The following article discusses all the topics which are mentioned above.

کلیدی الفاظ: رومی، تقدیر، روح، نفس، کائنات، ملوکیت، قومیت، تقلید، مغرب، فرنگ۔

اس امر پر بیشتر نقاد (با قاعدہ داخلی اور خارجی شہادتوں کی بنا پر) متفق ہیں کہ ہر چند علامہ کو فارسی کے متعدد شعرا سے غیر معمولی عقیدت و محبت بھی تھی اور انہوں ان کے اشعار کو بھی اپنے کلام میں جا بجا تضمین بھی کیا لیکن ان کو فارسی کے عظیم شاعر، مفکر، عالم فاضل، دانش ور صوفی اور فلسفی محمد جلال الدین رومی (پیدائش ۱۲۰۷) سے جو بے پناہ عقیدت و محبت، قلبی لگاؤ اور ذہنی روابط تھے ان کا اعتراف نہ صرف سیکڑوں نقادوں نے کیا، بلکہ نظم و نثر میں علامہ خود رومی کے خاص معترف و مداح نظر آتے ہیں۔

اقبال کی اردو نظموں کی حد تک، رومی اور ان کی فنی و فکری مماثلت اور ذہنی و فکری توافق و تطابق کے حوالے سے ان کی سب سے بہترین نظم ”پیر و مرشد“ ہے جس پر تنقیدی بحث سے قبل مذکورہ نظم کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

نظم ”پیر و مرشد“ فکر وفن کے تمام درخشاں حوالوں سمیت علامہ اقبال کی بہترین نظم ہے مذکورہ نظم ”کل اٹھاون (۵۸) اشعار (تضمین شدہ اشعار سمیت) پر مشتمل ہیں جس میں ستائس (۲۷) اشعار رومی سے تضمین شدہ ہیں نظم میں تضمین شدہ اشعار کی پھر مزید دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم کے اشعار وہ ہیں جن کو بغیر کسی تصرف کے علامہ نے ”من و عن“ تضمین کیا ہے اور وہ تعداد میں کل اٹھارہ (۱۸) اشعار ہیں، دوسری قسم میں وہ اشعار آتے ہیں جس میں اقبال نے مختلف مقامات پر تصرف یا اس میں تبدیلی کی ہے اس قسم کے اشعار کل ۹ شعر ہیں اس کے علاوہ باقی اکیس ۲۱ اشعار اردو کے ہیں جو کہ علامہ کے اپنے (اشعار) ہیں۔

مذکورہ نظم ’(پیر و مرشد) میں علامہ نے نہ صرف مولانا روم کے اشعار کو انتہائی مہارت کے ساتھ اپنی نظم میں تضمین کیا ہے بلکہ ان کے افکار و نظریات (جو کہ پیش کردہ مسائل کے حوالے سے علامہ کے بھی تھے جو مولانا روم کے ہیں) کو بہ کمالِ رعنائی پیش کیا ہے مکالماتی انداز میں لکھی گئی اس نظم میں علامہ نے مولانا روم کے ستائیس (۲۷) اشعار اور ایک مصرع کو نہایت برجستگی سے تضمین کیا ہے اس نظم میں ”مرید ہندی“ (اقبال) اور پیر رومی (مولانا روم) کے مابین، امتِ مسلمہ کو درپیش مختلف فکری مسائل پر گفت گو کا اہتمام کیا گیا ہے مکالمہ کی شکل میں لکھی گئی یہ نظم ”تضمین مکالمہ پیکر“ کی بہترین مثال ہے“(۱) مذکورہ نظم میں کل چوبیس مکالمے ہیں جس میں ”۱۳“ مکالموں میں مرید ہندی اور پیر رومی کے سوالات و جوابات ہیں ۔۔۔ مکالموں میں علامہ پیر روم کے سامنے درد بھرے شکوے کرتے ہیں اور پیر رومی اس پر اظہارِ خیال کرتے ہیں جب کہ ”۔۔۔“ ”میں اقبال اپنے دور کے مختلف مسائل پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہیں اور مولانا روم اپنی بصیرت کے مطابق اس پر اپنی رائے دیتے ہیں ذیل میں اقبال اور مولانا روم کے درمیان ہونے والے سوالات و جوابات کے تبادلے، اقبالی شکوؤں نیز علامہ کے تاثرات اور مولانا کے جوابات کا اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

”نظم پیر و مرید“ میں علامہ نے رومی کے سامنے درج ذیل سوالات رکھے اور رومی نے اپنی بصیرت کے مطابق (رومی نے اقبال کی زبان یا اقبال نے رومی کی زبانی) جوابات دیے۔

۱) حکم جہاد کی اصل حقیقت و نوعیت کیا ہے (مکالمہ نمبر ۱)

۲) یہ دین وطن کی آویزش کیسی ہے؟ (مکالمہ نمبر ۷)

۳) انسان کی حقیقت کیا ہے۔؟ (مکالمہ نمبر ۸)

۴) غایتِ آدم خبر ہے یا نظر؟ (مکالمہ نمبر ۹)۔

۵) کون سی بیماری قوموں کے لئے موت کا باعث ہیں؟ (مکالمہ نمبر ۱۰)

۶) مسلمانوں کا خون (سیاسی، مذہبی تمدنی، معاشرتی میدانوں میں) کیوں سرد ہو گیا؟ (مکالمہ نمبر ۱۱)

۷) ہر چند دنیا فانی ہے لیکن مردانِ حق کے لئے کون سی چیز کا حصول سود مند ہے؟ (مکالمہ نمبر ۱۲)۔۔

۸) جبر و قدر کی حقیقت کیا ہے؟ (مکالمہ نمبر ۱۴)

۹) دین محمدؐ کی غایت و غرض بادشاہی ہے یا راہبی۔؟ (مکالمہ نمبر ۱۵)

۱۰) جسمانی خواہشات پر قابو پا کر آب و گل کو کس طرح مسخر کیا جا سکتا ہے اور دل سینے میں کس طرح بیدار کیا جا سکتا ہے؟ (مکالمہ نمبر ۱۶)

۱۱) دین کا بھید کیا ہے اور قیامت کا یقین کس طرح آئے۔؟ (مکالمہ نمبر ۱۷)

۱۲) قوموں کی زندگی کس طرح مستحکم ہو سکتی ہے۔؟ (مکالمہ نمبر ۱۹)

۱۳) حقیقی علم وحکمت کا سراغ کیوں کر مل سکتا ہے اور کس طرح سوز وساز اور درد وداغ ہاتھ آسکتے ہیں۔(مکالمہ نمبر ۲۲)۔

علامہ نے مولانا روم سے پہلا سوال (مکالمہ نمبر ۴ میں) حکمِ جہاد کی نوعیت وحقیقت کے بارے میں پوچھا مولانا جواب دیتے ہیں کہ حق (خدا) کے پیدا کردہ نقوش کو اسی کے حکم سے مٹانا یعنی محبوبِ حقیقی کے بنائے ہوئے کانچ کے برتنوں کو اسی کے بنائے ہوئے پتھر سے توڑنا، یعنی اگر باطل اعلائے کلمۃ اللہ میں مزاحم ہوں تو اس کے خلاف جہاد فرض ہے۔ جہاد ایک دینی اور شرعی اصطلاح ہے مگر یہ اصطلاح "جہاد فی سبیل اللہ" کی پوری ترکیب ہی سے مکمل اور واضح ہوتی ہے۔۔یعنی ہر وہ کوشش اور جدوجہد کی ہر وہ صورت جو رضائے الٰہی کی خاطر ہو اور اللہ کے دین کو اس کی زمین پر قائم اور اغلب کرنے کے لئے ہو۔(۲)

علامہ کے بیان کے مطابق جہاد اگر جوع الارض کے لئے ہو تو حرام ہے لیکن اسلام کی حفاظت کے لئے جہاد کرنا پہلے بھی جائز تھا اور آج بھی جائز ہے۔ دیکھا جائے تو" اقبال کا زمانہ پورے برعظیم پر انگریزوں کی حکمرانی کا دور تھا، چناں چہ اس دور کے مخصوص سیاسی اور سماجی حالات کی وجہ سے جہاد کی اصطلاح کے بارے میں عام ذہنوں میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پائی جاتی تھیں بعض حلقے اسے محض شمشیر زنی کے مترادف سمجھتے تھے اور کچھ لوگوں کے نزدیک جہاد Holy war (مقدس جنگ) کا دوسرا نام تھا۔۔۔ علامہ اقبال بجا طور پر سمجھتے تھے کہ گذشتہ ۱۳، ۱۴، سو سالوں میں اسلام کی قوت اور امتِ مسلمہ کی بقا کا انحصار جہاد فی سبیل اللہ پر رہا ہے، برعظیم پر انگریزی استعمار کے تسلط، غلامانہ ذہنیت، سیاسی شکست خوردگی اور مغربی فکر و فلسفہ کی مرعوبیت نے تاویلات کے ذریعے تصورِ جہاد کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے اقبال نے اس معذرت خواہانہ طرزِ فکر کو قطعی رد کر دیا جس کا بیج سرسید احمد خان نے تعلیم یافتہ ذہنوں میں بویا تھا اور قادیانی مذہب انگریزی استعمار سے وفاداری کی خاطر اس کی آب یاری کر رہا تھا، علامہ اقبال بخوبی جانتے تھے کہ نفی جہاد کی اس مہم کے پس پردہ کون سی استعماری طاقت کام کر رہی ہے"(۳) اقبال کے الفاظ میں جہاد ایک طرح اسلام کی روح ہے۔

اقبال کے ہاں جہاد کا مفہوم شمشیر زنی، اظہار قوت، معرکہ آرائی یا قتال تک محدود نہیں، اصل مطلب جہادی روح یا جہادی رویہ ہے چناں چہ اقبال علم وعقل اور حکمت ودانش کے حصول کو بھی "روح جہادی" کا ضروری حصہ قرار دیتے ہیں۔۔۔ ان کے نزدیک جہاد کا مقصد نہ تو حصولِ دولت و غنائم ہے، نہ شہرت ونام وری، مجاہد نہ تو فسادیوں کی طرح کمزوروں پر دھونس جماتا ہے نہ وہ استعماریوں کی مانند ملک گری کی ہوا و ہوس میں مبتلا ہوتا ہے اس کی ساری تگ ودو مفسدوں اور ظالموں کی بیخ کنی، باطل وبدی کے خلاف جہاد پیہم اور کمزوروں اور مظلوموں کی مدد واعانت کے لئے ہوتی ہے، گویا جہاد سے مقاصد دین کی تکمیل ہوتی ہے۔"(۴) الغرض جہاد کا واحد مقصد محض اللہ کے دین کا قیام ہے۔

علامہ نے مولانا روم سے دوسرا سوال دین وطن کی آویزش کے بارے میں پوچھا (جو مکالمہ نمبر ۷ میں ہے) ان کے دور میں مسلمانوں کو در پیش فکری مسائل میں دین ووطن کی آویزش کا مسئلہ، مہلک ترمسئلہ تھا جس نے ملتِ اسلامیہ کے عام افراد کے علاوہ اس دور کے دانش وروں اور علما کو بھی اس قدر ذہنی انتشار کا شکار کر دیا کہ مسلمانوں کے چھوٹی کے علما اور دانش ور انگریز تہذیب کے اس سحر میں بری طرح مبتلا ہوئے اور جس پر علامہ اور ان (علما) کے درمیان طویل مباحث اور گرم بیانات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

واقعہ یہ ہے کہ اتحادیوں اور خصوصاً انگریزوں نے گذشتہ صدی میں "نظام خلافت" کو کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد صرف جدید ترکیہ (اب سلطنت ترکی جہاں ہے) کے علاوہ عظیم سلطنتِ عثمانیہ پر قبضہ کر لیا اور ہندوستان پر تو انگریز پہلے سے ہی قابض تھا اب ان اقوام نے مسلمانوں کی دینی، ملی اور تہذیبی وحدت منتشر کرنے اور مسلمانوں کو مزید کمزور کرنے کے لئے وطنیت کے نظریے کی پرچار شروع کی اور ملتِ اسلامیہ کے افراد کے اذہان میں روز بروز مذکورہ عقیدہ پختہ تر کرتے گئے جس نے مسلمانوں کے اتحاد ملی اور دینی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا" قومیت کے مغربی تصور کے

مطابق سب مسلمان تقسیم ہو گئے مثلاً یمنی مسلمان، عراقی مسلمان وغیرہ، ہندوستان میں جہاں مسلمان ہندوؤں کی نسبت اقلیت میں تھے چناں چہ کانگریس نے کہا کہ یہاں کے مسلمان "ہندی مسلمان" ہیں اور ہندستان ان کا وطن ہے اس طرح ان کے اسلامی تشخص کو پسِ پردہ ڈالنے کی سیاسی حکمتِ عملی اختیار کی گئی"(۵)

اقبال کے نزدیک دنیا میں مسلمان کی زندگی صرف اسلام ہی سے ممکن ہے اس سے علیحدہ مسلمان کا وجود قائم ہی نہیں رہ سکتا اسلام ہی مسلمان کی قومیت ہے، اسلام ہی وطن اور اسلام ہی مسلمان کا گھر ہے، بالفاظِ دیگر اسلامی تصور ہمارا وہ ابدی گھر یا وطن ہے جس میں ہم اپنی زندگی بسر کرتے ہیں جو نسبت انگلستان کو انگریزوں اور جرمنی کو جرمنوں سے ہے وہ اسلام کو ہم مسلمانوں سے ہے جہاں اسلامی اصول یا ہماری مقدس روایات کی اصطلاح میں "خدا کی رسی" ہمارے ہاتھ سے چھوٹی وہاں ہماری جماعت کا شیرازہ بکھرا۔"(۶) اس حوالے سے اقبال نے واضح طور پر اپنایوں دیا:

"میں نظریہ وطینت کی تردید اس زمانے سے کر رہا ہوں جب دنیائے اسلام اور ہندوستان میں اس نظریے کا کچھ ایسا چرچا بھی نہ تھا۔ مجھ کو یورپین مصنفوں کی تحریروں سے ابتدا ہی سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گی تھی کہ یورپ کی ملوکانہ اغراض اس امر کی متقاضی ہیں کہ اسلام کی دینی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی حربہ نہیں"۔(۷)

آٹھویں اور نویں مکالمے میں علامہ نے پیر روم سے انسان کی حقیقت دریافت کرنے کے علاوہ یہ بھی پوچھا کہ غایتِ آدم خبر ہے یا نظر، پیر روم جواب دیتے ہیں کہ ظاہری یا مادی طور پر تو انسان اتنا کمزور ہے کہ مچھر جیسی ضعیف مخلوق کا سامنا نہیں کر سکتا لیکن باطنی (روحانی) طور پر سات آسمانوں کو بھی مسخر کر سکتا ہے اور جہاں تک آدم (مجموعی طور پر تمام انسانوں کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے) کا تعلق ہے تو وہ اصل میں دید (تجلیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرنے والی آنکھ) ہے۔ باقی محض چھلکا ہے "خبر" سے مراد "عقل و خرد" ہے او "نظر" سے مراد "عشق و محبت" ہے، حواسِ خمسہ کے ذریعے حاصل کی گئی معلومات کو علامہ خبر سے تعبیر کرتے ہیں، محسوسات کے علم میں چوں کہ کوئی چیز کلیتاً منکشف نہیں ہوئی کیوں کہ حواس محدود ہیں حقیقی علم تزکیۂ باطن کے ذریعے حاصل ہوتا ہے جو اطاعت الٰہی سے مشروط ہے وہ علم ایسا نور ہے جو براہ راست اشیا کا مشاہدہ کرواتی ہے اُسی کو دانش نورانی، آنکھ، دید یا نگاہِ پردہ سوز کہتے ہیں وہ دید آنکھ کی محتاج نہیں ہوتی۔(۸) الغرض وجودِ انسانی خلاصہ کائنات اور مقصودِ حیات ہے اور یہی انسان کی حقیقت ہے۔

گیارہویں مکالمے میں علامہ پیر روم سے پوچھتے ہیں کہ امتوں (قوموں) کی ہلاکت کا سبب کیا ہے۔؟ پیر جواب دیتے ہیں کہ جب کوئی قوم جندل (پتھر عود کی شکل کا) کو عود (نہایت خوش بودار لکڑی) سمجھ لے تو موت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ علامہ نے عود اور جندل کو علامتی انداز میں استعمال کیا ہے، عود سے یہاں مراد "حق" ہے اور "جندل" سے مراد باطل ہے علامہ کی بات کی تائید کے لئے تاریخ عالم سے سیکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں لیکن اس بات کی گواہی ہر صاحبِ نظر دے سکتا ہے کہ جہاں اہلِ مشرق "تعینات" کے پردوں اور "تنزلات ستہ" کے بکھیڑوں میں الجھ گئے اور مردِ درویش اور قلندر کے بجائے مجاور اور گورکن بن گئے وہاں اہلِ مغرب سائنسی شور اور مشینی دھوئیں سے اٹے مادیت کی دیوی کے چرنوں میں اس درجہ سجدہ ریز ہو گئے کہ یوں آج تک سر اٹھانے کے قابل نہ رہے اور یوں "اہلِ شرق و غرب" ہر دو نے اپنی موت کا سامان خود کیا۔

علامہ نے پیر روم سے (مکالمہ نمبر گیارہ میں) چھٹا سوال پوچھا یہ کہ مسلمانوں میں اب وہ جذبۂ ایمانی نہیں، اس کا لہو کیوں کر سرد ہوا۔؟ پیر روم جواب دیتے ہیں کہ جب تک کسی مقبول بندے کا دل نہ دکھے، خدا کسی قوم کو رسوا اور ذلیل و خوار نہیں کرتا مذکورہ مکالمے میں واضح اشارہ امام

حسینؓ کی شہادت کی طرف ہے جس کے بعد امت تو ابھری (بنی امیہ، بنی عباس اور ترکوں کی صورت میں) لیکن اسلام زوال پذیر ہو تا گیا، حتیٰ کہ آج (یہاں) بھی جس پاکستان کی بنیاد خالص دینِ اسلام پر رکھی گئی تھی، یہاں بھی اسلام بطورِ مذہب تو ہے لیکن بطورِ دین، خالص صورت میں موجود نہیں۔ یوں ابتدا سے تادمِ ایں، ہر دور میں انبیائے کرام، صحابہ کرام، اولیا، بزگان دین اور اہلِ حق جب کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا تب وہ قوم ذلیل و خوار ہوئی۔

بارہویں مکالمہ میں علامہ اقبال نے پیر روم سے ساتواں سوال یہ پوچھا کہ ہر چند دنیا کا بے رونق بازار فانی ہے لیکن مردانِ حق کے لئے کون سی چیز کا حصول سود مند ہے، رومی جواب دیتے ہیں کہ مردانِ حق کو چاہیے کہ دانائی بیچیں اور حیرانی خریدیں، اس لئے کہ دانائی محض وہم و گمان ہے اور حیرانی معرفت، مکالمۂ مذکورہ میں جو اصطلاحات استعمال ہوئے ہیں وہ یقیناً وضاحت طلب ہیں جس میں سب سے پہلی اصطلاح "وجود" کی ہے۔ جس کی تشریح کرتے ہوئے ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان لکھتے ہیں:

(۱) وجود باطنی مصدری یعنی "بودن" یا "ہونا"

(۲) وجود بمعنی "موجود" یعنی وہ شے جو موجود ہو بذاتِ خود، بلا احتیاج و افتقار، بلا حلول و قیام، بلا زمان و مکاں موجود ہے اور اس کا وجود عینِ ذات ہے۔"(۹) ان اصطلاحات کے خالص مفاہیم شیخ اکبر کے مسلک کی طرف راغب ہیں لیکن علامہ کا مسلک اس حوالے سے (انسانی خودی بھی منفرد ہے) جدا ہے اس لئے مکالمۂ مذکورہ میں علامہ نے بازارِ وجود کی ترکیب استعمال کی ہے جس کا مقصد یہ "فانی دنیا" ہے اس کے علاوہ "عقل" سے مراد عقلِ حیوانی ہے جس کی بنیاد محدود حواس خمسہ پر ہے جس کو علامہ نے دانشِ برہانی یا عقلِ جزئی بھی کہا ہے نظر سے مراد "دید" آنکھ، چشمِ بیدار (جس کی تفصیل پچھلے صفحات پر گزر چکی) معرفت یا دانشِ نورانی یا عشق ہے، حیرانی سے مراد کائنات پر غور فکر کرنا، جس کی تاکید قرآن پاک میں بھی متعدد مقامات پر ملتی ہے، اسی لئے علامہ نے "عقلِ حیوانی" (ظن و گماں) "بیچ کر" دانش برہانی (عشق) اور یقین کو رہنما بنانے کی تلقین کی ہے۔

چودھویں مکالمہ میں علامہ اقبال نے پیر روم سے آٹھواں سوال "جبر و قدر" کے حوالے سے پوچھا ہے رومی نے جواب دیا کہ باز کو بال و پر بادشاہ کی طرف لے جاتے ہیں اور کوے کو قبرستان میں پہنچا دیتے ہیں۔ پیر روم کے اس فکری گرہ کو کھولنے سے قبل "تقدیر" پر مختصر مگر جامع بحث کی جاتی ہے۔

جہاں تک لفظ تقدیر کا تعلق ہے تو اس کا مادہ (ق، د، ر) ہے جس کے معنی اندازہ لگانے کے ہیں یا "توانا" ہونے کے ہیں لیکن اصطلاح میں قدر سے مراد اللہ کا وہ ارادۂ ذاتیہ ہے جو مختلف اشیا کے تعلق میں مختلف اوقات میں ظاہر ہوتا رہتا ہے۔(۱۰)

واقعہ یہ ہے کہ "خلق و امر کے مالک نے ہر شے کو نہ صرف تخلیق و تسویہ کے مرحلے میں اس کے "مقصدِ وجود سے آگاہ کیا بلکہ اس کو مقصدِ زندگی (تقدیر) کو پورا کرنے کا طریقہ بھی سکھایا" الذی خلق فسویٰ، والذی قدر فہدیٰ۔۔۔ پس جو کوئی اپنا مقصد زندگی (تقدیر) بھلا بیٹھتا ہے وہ اپنا مقصدِ وجود کھو بیٹھنے کے باعث زندگی سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔۔۔ پس جس طرح کہ بے شمار عالم ہیں اس طرح بے شمار تقدیرات بھی ہیں یہ تقدیرات طبیعات میں حواص، نفسیات میں خواہشات یا طبعی تقاضے، اور الٰہیات و دینیات میں تقدیرات کہلاتی ہیں"۔(۱۱)

علامہ نے پیر روم سے (پندرھویں مکالمے میں) نواں سوال یہ پوچھا کہ دینِ محمدؐ کا مقصد کاروبارِ خسروی (بادشاہی یا حکمرانی کا سلسلہ استوار کرنا ہے) یا راہبی۔؟ پیر جواب دیتے ہیں ہمارے دین میں حالات کا تقاضا یہ ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ (جس کی نوعیت اور مقاصد پچھلے صفحات میں بیان کئے جا چکے ہیں) کے ذریعے دینی شان و شکوہ حاصل کیا جائے جب کہ دینِ عیسیٰ (مسیحیت) میں مقصد دین رہبانیت اختیار کر کے پہاڑوں اور غاروں میں پناہ لی جائے۔

دین محمدؐ میں حالات کے تقاضوں کے مطابق جہاد فرض ہے جس کا مقصد نہ مالِ غنیمت ہوتا ہے نہ کشور کشائی بلکہ اس کا واحد مقصد تمام روئے زمیں پر اللہ کا دین قائم کرنا ہے۔

آب و گل (زمان و مکاں) کو قابو میں لانے کے بالکل پہلو بہ پہلو دل کو بیدار رکھنے، کا سوال علامہ کا ''مولانا روم'' سے دسواں سوال ہے، جو مکالمہ نمبر ١٦ میں ہے پیر روم جواب دیتے ہیں کہ تو خدا کا سچا بندہ بنا رہ، یعنی جس طرح گھوڑا سوار کے اشاروں پر چلتا ہے اس طرح تو بھی خدا کے دیے ہوئے حکموں کا پابند رہ اور محنت و مشقت میں کوئی کمی نہ آنے دے، اس جنازے کی شکل اختیار نہ کر جو دوسروں کی گردن کا بوجھ بن جاتا ہے۔''(١٢)

اس سوال کا تعلق اگر (سوال نمبر ١١ میں جو مکالمہ نمبر ١٧ میں پوچھا گیا) اس سوال سے جوڑا جائے جس میں علامہ، رومیؒ سے پوچھتے ہیں کہ دین کا بھید کیا ہے؟ اور قیامت کا یقین کس طرح آئے؟ تو موضوع کی تفہیم میں ربط و تسلسل کے علاوہ تفہیم میں بھی آسانی ہوگی۔ موخز الذکر سوال کا جواب دیتے ہوئے پیر روم کہتے ہیں کہ (قیامت کو دیکھنے کے لیے) تو خود قیامت ہو جا اور قیامت کو دیکھ لے (کیوں کہ) ہر چیز کے دیکھنے کی شرط یہی ہے ، جہاں تک رہبانیت کا تعلق ہے تو قرآن پاک کے الفاظ میں ''ورھبانیۃ ابتدعوھا ماکتبنا علیھم (سورۃ الحدید، ٢٧) ترجمہ: اور انھوں نے (یہود و نصاریٰ نے) رہبانیت کو خود سے ایجاد کر لیا، ہم نے ان پر اس کو واجب نہ کیا تھا۔ اس کے برعکس غایت دین، کاروبارِ خسروی بھی نہیں ہے، زن، زر، زمین کی محبت میں اللہ سے غافل ہونا ''دنیا ہے'' اور ایسا نہ ہو تو دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور پھر اللہ کا حکم ہے ولاتنس نَصِیبک من الدنیا۔ (سورۃ القصص، آیت ٧٧) دنیا سے اپنا حصہ لینا نہ بھولو، یہی قانونِ اسلام انسانی فطرت کے عین مطابق ہے پھر جہاں تک تسخیرِ کائنات کا تعلق ہے تو قرآن مجید میں گیارہ مقامات (الرعد آیت ٢، ابراہیم آیت، ٣٣۔ النمل، ١٢۔ الحج، ٣٦، ٣٧، ٦٥۔ العنکبوت، ٦١، لقمان، ٢٩۔ فاطر، ١٣۔ الزمر، ٥۔ الزحرف، ١٣۔ الجاثیہ۔ ١٣) پر زمین و آسمان اور مافیہا کے انسانی تصرف میں دیے جانے کا ذکر ہوا ہے تاکہ وہ انسان جس کی تخلیق ''اعلانِ اول'' (جاعل فی الارض خلیفہ) کے مطابق ہوئی ہے، کائنات کی قوتوں کو اپنے تصرف میں لا کر اپنی خداداد تخلیقی فعلیت کو بروئے کار لائے اور مظاہر فطرت کے خوف سے آزاد ہو۔۔۔ قرآن مجید نے انسان کے لئے تسخیر کائنات کا اعلان کر کے نہ صرف اس کی عظمت کا اعلان فرمایا بلکہ انسانی عقل کے لئے ایک بلند ترین نصب العین بھی متعین کر دیا (١٣) جس طرح تسخیر کے لئے خودی کی بے پایاں قوتوں کا استعمال لازمی ہے اسی طرح خودی کی حقیقت کے لئے عشق کے نصاب کی پیروی انتہائی لازمی ہے اور عشق کا تصور روح کے بغیر ممکن نہیں اور روح کا مسکن ہے قلب یا دل ہے جس کی بیداری کے بارے میں اسی مکالمہ (مکالمہ نمبر ١٦ میں) میں علامہ نے مولانا روم سے سوال پوچھا اور رومی نے جواب بھی دیا لیکن ''دل'' کی ماہیت پر بحث کرنے سے قبل ''مذکورہ اصطلاح ''دل'' کی وضاحت ضروری ہے۔

''دل'' علامہ کی مخصوص اصطلاح ہے ''اصطلاحاتِ صوفیا میں دل لطیفہ رُوحانی اور لطیفہ رَبانی ہے، وہی حقیقت انسانی ہے اور عشق کے ذریعے دل سینے میں بیدار ہوتا ہے کیوں کہ عشق احکام الٰہی میں کمال استغراق اور محویت ہی سے مراتب دل نمایاں ہوتے ہیں ورنہ حواس و مدرکاتِ نفس کی غلام عقل تو یہ صلاحیت پیدا نہیں کر سکتی'' (١٤) اسی عقل کی غلامی اور اس پر مکمل انحصار نے مغرب میں دین و دنیا میں دوئی پیدا کی اور نتیجے میں ملوکیت ، سرمایہ دارانہ نظام، جمہوریت، لا ادیت، وجودیت اور اشتراکیت جیسے ملحد نظریات نے چنگیزی نظام ہائے سیاست کو جنم دیا، جو آج تک تمام بنی نوع انسانوں کے سینوں میں کٹاری بن کر چھپ رہے ہیں علامہ کے دور میں ملتِ اسلامیہ کو درپیش فکری مسائل میں ایک اہم مسئلہ مذہب کی حقیقی ماہیت کے تعین کا تھا۔

متعدد مغربی نظام ہائے سیاست (جن میں) بالخصوص ''جمہوریت'' اور ''اشتراکیت'' نے مذہب کی دھجیاں اڑادیں اور مذہب سے انکار کے زمرے میں انھوں نے خدا، روح، قیامت اور حیات بعد الموت جیسی بنیادی عقائد اور لیکن اہم حقیقتوں کا بھی انکار کیا، علامہ نے اپنی شاعری اور نثر میں مسلسل مغرب کی، دین و مذہب کے ضمن میں غلط فہمیوں کی نشاندہی کے علاوہ ''دین و مذہب'' کا بھرپور دفاع بھی کیا۔ علامہ کے خیال میں (اور حقیقت بھی یہی ہے) اسلام ایک مذہب ہی نہیں، ایک جامع دین یعنی مکمل نظام حیات ہے، ان کے نزدیک مذہب قوت کے بغیر محض ایک فلسفہ ہے، اس لئے کسی قوم کی کامل فلاحِ دین و دنیا کے لئے مذہب، صرف مذہب ہی کی صورت میں نہیں بلکہ دین کی صورت میں نافذ ہونا چاہیے، اس کے علاوہ ہر فرد دین کو محض مابعد الطبیعیاتی عقیدہ سمجھ کر نہیں بلکہ ایک فطری لازمہ سمجھ کر قبول کرے تاہم اس کے لئے خودی کی پہچان ضروری ہے اور اس پہچان کے بعد اپنے اندر ایسا قیامت خیز انقلاب لایا جائے جو اس دنیا میں ہی قیامت برپا کردے۔ تب جاکر انسان کو اس کی غیر معمولی عظمت، خودی کی زبردست صلاحیتوں، مذہب کی حقانیت، دین کی ضرورت، روح، حیات بعد الموت اور قیامت کا یقین ہو جائے گا۔

انیسویں مکالمے میں علامہ نے پیر رومی سے بارہواں سوال یہ پوچھا ہے کہ ملت کی حیات کس طرح مستحکم ہو سکتی ہے؟ پیر جواب دیتے ہیں کہ اگر تو دانہ بنے گا تو پرندے تجھے چگ لیں گے، اگر تو کلی کی شکل اختیار کرے گا تو بچے تجھے نوچیں گے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ تو دانا چھپالے اور سراپا جال بن جائے کلی کو پوشیدہ کرلے اور کوٹھے کی سبزی ہو جائے (۱۵) یہاں ''دانہ'' اور ''غنچہ'' علامتیں ہیں ''دانے سے مراد افتادگی، عاجزی، مسکینی اور بے بسی، جب کہ غنچہ سے مراد ضعف، نزاکت، نرمی اور ناتوانی، ان دونوں لفظوں سے مراد تابِ مقاومت کا فقدان، یعنی جرمِ ضعیفی کی سزا یقیناً مرگِ مفاجات ہو گی اس لئے جہاں گیری و جہاں بانی اور فطرت کے گرم و سرد سے نپٹنے کے لئے مولانا روم اور علامہ دونوں سخت کوشی، استقلال اور جہد مسلسل کی تعلیم دیتے ہیں۔

اقبال نے تاریخ کے حوالے سے مسلمانوں کی زندگی کی بلندی و پستی اور عروج و زوال کا عمیق مطالعہ کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اُس زوال و انحطاط کے چند سیاسی و فکری اسباب تھے جن میں ایک بڑی وجہ ''ملوکیت'' کا نظام تھا، جس کی بہیمانہ قوت کے سامنے کوئی سر نہیں اٹھا سکتا تھا، فرد کی شخصیت مکمل دب جاتی (جس نے عبد اللہ بن زبیرؓ، امام حسینؓ اور محمد بن قاسم جیسے جری افراد کے سر قلم کئے)۔۔۔ مسلمانوں نے خود قیصر و کسریٰ کے ملوکانہ نظام کو اپنی قوتِ ایمانی سے توڑا، پھر خود ہی تختِ ملوکیت پر بیٹھ گئے اور وہی کچھ کرنے لگے جو قیصر و کسریٰ کرتے تھے علامہ کے مطابق انسان میں جہادی روح اور جذبہ سخت کوشی کو کمزور کرنے والا دوسرا بڑا سبب ''فلسفہ ہے'' جس کے نظریات کی رو سے ہستی محض ایک سراب ہے۔ سیاسی سطح پر ملوکیت کے نظام کے رواج کے علاوہ فکری سطح پر مسلمانوں کا یونانی فلسفہ کی موشگافیوں میں گم ہونا تھا کیوں کہ یونانی فلسفہ کی موشگافیاں انسان کو کش مکشِ حیات سے دور کر دیتی ہیں کیوں کہ وہ ذوقِ عمل ترک کرنے کا درس دیتا ہے اور ذوقِ عمل کے بغیر انسان مر جاتا ہے اس کے علاوہ غیر اسلامی تصوف کے نظریات نے ملت کے قویٰ کو معطل اور مضمحل کر دیا، ترکِ دنیا، عجز، جبر، تقدیر، قناعت، ملامت کشی اور خانقاہ نشینی کے منفی رجحانات نے قوم میں افسردگی، بے عملی، بے چارگی، خود گریزی اور حزن و یاس کو فروغ دیا مذکورہ تینوں عوامل (ملوکیت، یونانی فلسفہ، اور غیر اسلامی تصوف) نے مسلمان اقوام کے اخلاق کو ضعیف کر دیا اور ان کے ضمیر کو بدل دیا، اس کے برعکس علامہ کے نزدیک ملت کے استحکام کے ضامن ضمیرِ پاک، نگاہِ بلند اور جانِ پر سوز کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔

علامہ نے تیرہواں سوال (مکالمہ نمبر ۲۲ میں) پیر روم سے یہ کیا کہ علم و حکمت اور عشق و محبت کے حصول کا طریقہ کیا ہے۔ پیر روم جواب دیتے ہیں کہ علم اور حکمت اور عشق اور سوز و گداز حلال کی روزی سے حاصل ہوتے ہیں'' انہوں نے مذکورہ مکالمے میں جس علم کی طرف اشارہ کیا (جو

قلب یا فواد جس کا مرکز ہے) جس کو علامہ عقلِ مسلماں کہتے ہیں (نہ کہ محض دماغ) اس علم کی بنیاد وہم وگماں پر نہیں ہوتی بلکہ یقین قطعی پر مبنی ہوتی ہیں یعنی صرف ''اقرا'' نہیں بلکہ ''باسم ربک الذی خلق'' پر اس کا مدار ہوتا ہے اس علم کا مرکزِ اول وہ قلب ہے جس کی صفت لاینام ہے علامہ اسی علم کے بہ صورتِ ایمان ویقین جزوِ فطرت بنانے کو یقینی اسلامی بے خودی (سوز و درد و داغ) کا نام دیتے ہیں اور یہی عشق ہے۔

بہر حال علامہ نے حقیقی علم و حکمت اور عشق کے ''سوز و ساز و درد و داغ'' کے لئے ''اکلِ حلال'' کو ضروری گردانا ہے۔ مذکورہ سوالات و جوابات کے سلسلے کے علاوہ علامہ نے نظم ''پیر و مرید'' میں مولانا روم کے حضور چار مکالموں (مکالمہ نمبر ا۔ ۱۳۔ ۲۱۔ ۲۴) میں کچھ درد بھرے شکوے کرتے ہیں اور پیر روم زبردست عالمانہ انداز میں ان شکوؤں کا جواب دیا ہے۔ پہلے مکالمے (مکالمہ نمبر ا) میں علامہ نے رومی کے سامنے درد بھرا شکوہ یہ پیش کیا، کہ ''علمِ حاضر'' کے الحادی رویوں نے دین کو زار و زبوں کر کے رکھ دیا، رومی جواب دیتے ہیں کہ تن پروری کے لئے حاصل شدہ علم سانپ بن کر ڈستا ہے اور دل پروری (علم و معرفت اور باطنی آراستگی) کے لئے علم کا حصول رہنما اور رفیق ہے اقبال کے مطابق عصرِ حاضر کا تعلیمی نظام گمراہ کن ہے، وہ مسلمان نوجوانوں کو دین سے دور کر رہا ہے اور صرف حرص و ہوس کی تعلیم دے رہا ہے اس کے نتیجے میں ابلیسی طاقتیں بے بند و بار ہو کر فساد پیدا کر رہی ہیں اور اس کی سب سے بڑی مثال پہلی جنگِ عظیم (۱۹۱۴۔ تا ۱۹۱۸) ہے اس جنگِ عظیم میں کم و بیش ایک کروڑ آدمی مارے گئے اور دو کروڑ کے قریب زخمی ہوئے ایک کھرب، اَسّی ارب اور پچیس کروڑ ڈالر کی رقم براہ راست خرچ ہوئی جب کہ بالواسطہ خرچ کی رقم ایک کھرب، اکاون ارب اکسٹھ کروڑ پچیس لاکھ ڈالر تھی''۔ (۱۶) یوں علمِ حاضر پوری دنیا کو نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا تھا، مزید براں نوجوانانِ ملت کی اسلام سے دوری علامہ، کو خون کے آنسو رلا رہی تھی۔

دوسرے شکوے کا اظہار ''علامہ'' نے پیر روم کے سامنے مکالمہ نمبر ۱۳ میں یہ کیا ہے کہ میرے ہم صفیر بادشاہوں کے مصاحب بن گئے، میں وہ فقیر ہوں جس کا سر کلاہ سے اور بدن گدڑی سے بھی محروم ہے، پیر جواب دیتے ہیں کہ بادشاہوں کی ہم نشینی اور دنیاوی جاہ و منزلت سے یہ بات بدرجہا بہتر ہے کہ انسان کسی عارفِ کامل کی غلامی اختیار کرے، کیوں کہ بادشاہوں کی قربت بسا اوقات ذلت کا باعث ہوتی ہے، لیکن خاصانِ خدا کی صحبت ہمیشہ موجب سعادت ہوتی ہیں ''مثلاً سلطان سلیم عثمانی نے اپنے آٹھ سالہ عہد حکومت میں آٹھ وزیروں کو قتل کرایا اور نویں وزیر کے قتل کا بہانہ تلاش کر رہا تھا کہ ملک الموت نے آن دبایا'' (۱۷) پیر رومی کی تعلیم یہ تھی کہ روح سے نفسِ امارہ کا تعلق صرف پیر کامل منقطع کر سکتا ہے پیر کامل کے دامن کو مضبوطی سے تھام لینا چاہیے تاکہ روح اپنی اصل سے جا ملے، علامہ کے مطابق دنیاوی بادشاہوں کی قربت خودی کے ضعف کا باعث بنتی ہے۔

علامہ کا تیسرا شکوہ مکالمہ نمبر ۲۱ میں یہ ہے کہ مرا فکر بلند آسمانوں پر ہے، مگر میں زمیں پر خوار خستہ اور دکھی بیٹھا ہوں، دنیا کا کام مجھ سے نہیں ہو سکتا، اس راستے میں ٹھوکریں کھا رہا ہوں، سوال یہ ہے کہ زمیں کا کاروبار کیوں میرے بس میں نہیں؟ وہ شخص جو دین کی حقیقتوں سے آگاہ ہے، وہ دنیا کے کام سے کیوں ناواقف ہے؟ مولانا روم اسے تسلی دیتے ہوئے کہتا ہے کہ جو شخص آسمانوں پر بے تکلف اڑتا پھرتا ہے اس کے لئے زمیں پر چلنا کیوں کر مشکل ہو سکتا ہے۔'' (۱۸)

اقبال کے مذکورہ شکوے کو اگر وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو ان کی مجموعی جہت یہ بھی بنتی ہے کہ اقبال کے حقیقی و بنیادی مآخذ قرآن پاک اور اسلامی تعلیمات تھے، اس لئے ان کا فلسفہ و فکر نہ صرف مسلمانوں بلکہ پوری نوعِ انسانی کے لئے باعث خیر تھا، لیکن شدید المیہ یہ ہے کہ نہ تو اقبال کو اپنوں نے سمجھا اور قبول کیا، نہ ہی اغیار نے، دونوں نے ان کے حقیقی افکار کو مسخ کر کے ان کی بھرپور مخالفت کی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اقبال کے ساتھ جو زیادتیاں اور ناانصافیاں روا رکھی گئیں، ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انھیں محض "شاعر اسلام" بنا کر ان کی حیثیت کو محدود کر دیا گیا، اقبال کو صرف شاعرِ اسلام مخالفینِ اقبال نے کہا ہے اور اگر ایسا ہے بھی تو، اسلام اور اقبال دونوں انسانی بھائی چارے کی تلقین کرتے ہیں اور اقبال کا اسلامی نقطۂ نظر پوری انسانیت کا احاطہ کرتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ اقبال آفاقی اس لئے ہے کہ اسلام آفاقی ہے اس حوالے سے سر تیج بہادر سپرو کی رائے قابلِ ذکر ہے وہ لکھتے ہیں۔

"اقبال کے ساتھ وہ لوگ بہت ناانصافی کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ وہ محض اسلامی شاعر تھا یہ کہنا اس کے دائرہ اثر کو محدود کرنا ہے یہ ضرور ہے کہ اس نے اسلامی فلسفہ، اسلامی عظمت اور اسلامی تہذیب پر بہت کچھ لکھا، لیکن کسی نے آج تک ملٹن کی نسبت یہ کہہ کر کہ وہ عیسائی تھا، یا کالی داس کی نسبت یہ کہہ کر کہ وہ ہندو مذہب کا شاعر تھا، اس کے اثر کو محدود نہ کیا، نہ کسی مذہب کے آدمیوں نے اس کی قدر میں کمی کی۔"(۱۹)

اس کا واضح مطلب تو یہ ہو گا کہ مسیحیت، اشتراکیت اور ہندو دھرم وغیرہ آفاقیت کے علم بردار ہیں اور فقط اسلام آفاقی نہیں اور پھر یہ تو "اقبال" یا ان کی شاعری سے زیادہ "اسلام" ان حضرات کے دل میں کٹاری بن کر چھپ رہا ہے۔ لہٰذا علامہ نے خونِ جگر میں انگلیاں ڈبو کے، حقیقی اسلامی فطری و آفاقی فلسفۂ حیات و کائنات کو نہ صرف مسلمانوں بلکہ پوری نوعِ انسانی کے سامنے رکھا لیکن جب یار و اغیار نے عاقبت نااندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے ان کے آفاقی فلسفہ و فکر اور شعر و سخن پر انگلی اٹھائی تو وہ "پیر روم" کے حضور شکوہ سرا ہوئے اور پیر روم نے انھیں بھرپور تسلی دی۔

چوتھا شکوہ جو کہ مکالمہ نمبر ۲۴ میں ہے میں مرید (اقبال) کو شکوہ ہے کہ ہندوستان میں اب نہ نور ہے نہ سوز، اس لئے اہل دل اس ملک میں بہت مایوسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، پیر جواب دیتے ہیں کہ اگر دنیا پرست مکاری اور بے غیرتی کو عام کر رہے ہیں تو خدا پرستوں کو بھی اپنا فرض ادا کرنا چاہیے یعنی انھیں دین کی روشنی اور عشق کی گرمی دنیا میں پھیلانی چاہیے۔

اگر گذشتہ (تیسرے) شکوے کے ساتھ مذکورہ شکوے کو ملایا جائے تو مجموعی تاثر یہی بنتا ہے کہ ہر چند مغربی تہذیب و تمدن "تعلیم اور مادیت" میں لوگ اس قدر ڈوب گئے ہیں کہ اقبال جیسے مخلص اور ہمدرد و غم گسار فلسفی کے افکار کی نفی کر کے، مغرب کی پرستش میں لگ گئے لیکن اقبال شکستہ اور ناامید نہیں ہوئے بلکہ آخری سانس تک نوعِ انسانی کو خیر، حسن، صداقت، امن، بھائی چارے، مساوات اور فلاحِ دین و دنیا کی طرف دعوت دے رہے تھے۔ زیر بحث نظم "پیر و مرید" میں مذکورہ شکوؤں کے علاوہ علامہ نے اپنے دور کے حوالے سے سات مکالموں (مکالمہ نمبر ۲۔۳۔۵۔۱۸۔۲۰۔۲۳) میں مختلف موضوعات وحالات پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے اور ان تاثرات کا پہلا اظہار مکالمہ نمبر ۲ میں ہے۔

دوسرے مکالمہ (مکالمہ نمبر ۲) میں علامہ نے پانچ شعروں میں (جس میں ایک شعر مولانا کی ایک غزل کا شعر ہے) عصر حاضر کے حوالے سے اپنے تاثرات یوں پیش کئے کہ موجودہ دور میں تہذیب نے مادی ترقی تو کر لی مگر انسان نے روحانیت کو خیر باد کہہ دیا، ساز و آواز نے بے کیف و بے سرور ہو گئے، نہ کسی میں یقین کا کرشمہ ہے نہ حضوری کا ذوق، یورپ کی ظاہری چمک دمک اصلی روح سے مکمل خالی ہے، اس لئے نغمہ اسے افلاک کی بجائے خاک کی طرف کھینچتا ہے رومی جواب دیتا ہے کہ نغمے سے (خدا کے احکام سے) صرف "صاحب دل" ہی سرور لے سکتے ہیں، یہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں مثلاً انجیر جیسی لذیز چیز ہر پرندہ ہضم نہیں کر سکتا۔

واقعہ یہ ہے کہ جب یورپی اقوام بیدار ہوئیں اور اپنے وسائل بروئے کار لانے لگیں تو انھوں نے زندگی کے ہر شعبے میں انقلاب برپا کر دیا، مغرب میں یہ بیداری "لوتھر" کی اصلاحِ مذہب کی تحریک سے شروع ہوئی لیکن آگے چل کر یہ اصلاحِ مذہب خود مذہب کے خلاف ایک رد عمل کی

صورت اختیار کر گئی۔ مغرب کا ہر نظریہ صداقت پر مبنی تصور کیا گیا۔ وطنیت، قومیت، جمہوریت، انفرادیت، اشتراکیت، ملوکیت، آمریت اور فسطائیت وغیرہ یہ سب نظریات، انسان کی فکری آزادی یا ترقی پسندی کی راہ استوار کرنے والے تھے اس طرح ہر "نظریہ" مذہب کے خلاف ایک اعلان تھا، نطشے تک پہنچتے پہنچتے مذہب رجعت اور جہالت کی علامت بن چکا تھا لہذا مذہب جیسی مقدس اور ناگزیر حقیقت یورپ کو کیسے راض آتی۔

مرید ہندی کا دوسرا اظہار (مکالمہ نمبر ۵ میں) یورپ کی حسین و جمیل مگر عریاں عورتوں کے بارے میں ہے۔ مرید کہتا ہے کہ مشرقی اقوام، مغربی اقوام کی ظاہری شان و شوکت سے اس قدر متاثر ہو چکی ہیں کہ اب ان کو یورپ کی نیم عریاں عورتیں، جنت کی حوروں سے بھی زیادہ دل کش نظر آتی ہیں علامہ کے اس اظہار کے جواب میں مولانا روم کہتے ہیں کہ چاندی بظاہر اجلی اور سفید ہوتی ہے لیکن اس کے "مس" کرنے سے لباس اور ہاتھ دونوں کالے ہو جاتے ہیں یہی حال ان مغربی عورتوں کا ہے، ان کا ظاہر تو بہت دل کش ہے لیکن باطن (قلب) سیاہ ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص ان کی صحبت میں رہے گا اس کے اندر بھی کثافتِ باطنی پیدا ہو جائے گی، اس لئے مسلمان نوجوانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔(۲۰)

علامہ نے تیسرا اظہار (مکالمہ نمبر ۵ میں) یہ کیا ہے کہ کالجوں کے مسلمان نوجوان علی الخصوص مغربی افکار سے متاثر ہو کر، اسلام سے بے گانہ ہوتے جاتے ہیں، پیر روم انھیں سمجھاتے ہیں کہ اگر وہ چوزہ جس کے پر نہیں نکلے، اڑنا شروع کر دے تو یقیناً بلی کا لقمہ بن جائے گا یعنی اگر مسلمان نوجوان اسلامی تعلیمات سے آگاہی حاصل کئے بغیر مارکس اور فرائڈ کے غیر اسلامی نظریات اور آسکر وائلڈ اور میکسم گورکی کے محربِ اخلاق افسانوں کا مطالعہ شروع کرے گا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اسلام سے بے گانہ ہو جائے گا۔(۲۱)

دیکھا جائے تو ایک ماہر طبیب کی طرح "علامہ" کا ہاتھ زمانے کی نبض پر ہے اور وہ نئی نسل کے امراض کا بخوبی ادراک رکھتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بے یقینی و بے اعتمادی اور ریب و تشکیک کے شکار ہیں خودی سے محروم ہیں اس لئے اسے اپنی ذات پر بھروسا نہیں ہے اور چوں کہ وہ خود شناس نہیں، اس لئے خدا شناسی کی نعمت بھی حاصل نہیں ان کو تاہم وہ جدید دور کی مادیت کو نوجوانوں کے لئے بہت بڑا فتنہ سمجھتے تھے ۱۹۳۱ میں نوجوانوں سے خطاب کے دوران انھوں نے فرمایا:

> "میں نوجوانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ دہریت اور مادیت سے محفوظ رہیں، اہل یورپ کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے مذہب اور حکومت کو علیٰحدہ علیٰحدہ کر دیا اس طرح ان کی تہذیب اخلاق سے محروم ہوگئی اور اس کا رخ دہریانہ مادیت کی طرف پھر گیا"(۲۲)

چوتھا اظہار علامہ نے تیسرے مکالمے میں کیا ہے اور پیر روم نے اس پر اپنی رائے دی ہے، جس مکالمے میں اقبال نے مخصوص نفسیاتی انداز میں اپنی مضطرب حالت کا اظہار کیا ہے، کہ علوم شرق و غرب پڑھنے کے بعد بھی میری روح درد و کرب سے نکل نہیں پا رہی، رومی جواب دیتا ہے کہ ہر اناڑی معالج تجھے مزید بیمار کر دے گا ماں کی طرف (اہل حق کی طرف) آ؛ اگر لازوال سکون درکار ہے۔

دیکھا جائے تو اقبال نے اپنی ذات کے پردے میں تمام انسانوں کے اس اضطراب کی نشان دہی کی ہے جو ایک طرف تو الحاد، بے دینی، مغربی جمہوریت، اشتراکیت، ملوکیت، وطنیت اور فاشیت جیسے لادین نظام ہائے سیاست کے مارے ہوئے ہیں تو دوسری طرف نام نہاد ملاؤں، جعلی پیروں، عاقبت نااندیش راہبوں اور جاہل علما کے ڈسے ہوئے ہیں۔ مذکورہ دونوں طبقوں کا فلسفہ ہائے حیات غلط ہے جس کی سب سے بڑی وجہ دونوں طبقوں کی دینِ اسلام کی حقیقی روح سے ناواقفیت ہے لہٰذا جو بھی حقیقی قرآنی و اسلامی فلسفہ حیات سے ادھر ادھر بھٹکے گا، اس کی روح ہمہ وقت اضطراب سے دوچار رہے گی۔

پانچواں اظہار علامہ نے مکالمہ نمبر ۱۸ میں خودی کے حوالے سے کیا ہے۔ مرید (اقبال) عرض کرتا ہے کہ اگرچہ خودی اس قدر طاقت ور ہے کہ اتنا بڑا آسمان بھی اس کی زد میں ہے اور سورج چاند کو بھی شکار کر سکتی ہے، عناصر کائنات کو بھی مسخر کر سکتی ہے لیکن اس کے باوجود، انہی نخچیروں کے ہاتھوں نالاں رہتی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ پیر روم رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں بیشک خودی عناصرِ کائنات کو مسخر کر سکتی ہے لیکن اس فعل سے جیسا کہ تم نے خود کہا ہے اس کو فروغ حاصل ہو سکتا ہے "حضور" اور "فراغ" حاصل نہیں ہو سکتا یہاں "حضور" علامہ کی خاص اصطلاح ہے "غیب و حضور" کے متعلق صاحبِ رسالہ قیشر یہ لکھتے ہیں۔

"غیب وہ امرِ مخفی جس کا ادراک حس نہیں کر سکتی، صوفیا کے ہاں غیب وہ عالم ہے جو بغیر مدت اور مادہ کے پایا جاتا ہے علامہ کے ہاں حضور سے مراد تجلیاتِ خداوندی کا مشاہدہ ہے اور یہ صوفیا کی اصطلاح سے کچھ دور نہیں۔" (۲۳)

اس کے علاوہ کبھی لفظ "حضور" صوفی اپنے حواس میں لوٹ آنے کے لئے بھی استعمال کرتا ہے۔ بہر حال یہاں علامہ کا جو مقصد ہے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ تسخیر کائنات کی بدولت، خودی دنیا میں مادی اقتدار حاصل کر سکتی ہے اسے "فروغ" کہتے ہیں لیکن مادیت کا قاعدہ یہ ہے کہ ان کے حصول سے اطمینانِ قلب (فراغ) حاصل نہیں ہو سکتا، کیوں کہ انسان مادیات میں سخت منہمک ہو جاتا ہے۔ اس انہماک کی وجہ سے خودی کو حضور (عشق اور ذکر الٰہی) کا موقع نہیں ملتا، اس طرزِ زندگی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہی مادی کام یابیاں (نخچیر) خودی کے حق میں موجب کلفت بن جاتی ہیں بالفاظِ دیگر خودی غلط چیزوں کا شکار کھیلتی ہے یہ چیزیں اس لائق نہیں کہ خودی اپنی قوتوں کو ان کی تسخیر میں صرف کرلے۔" (۲۴)

چھٹا اظہار مکالمہ نمبر ۲۰ میں علامہ نے یہ کیا ہے کہ آپ (مولانا روم) کہتے ہیں کہ دل کی تلاش کر اور تلاش کے سلسلے میں اگر کوئی مزاحمت کرے تو اس کا مقابلہ کر لیکن میرا دل تو میرے سینے میں موجود ہے پھر تلاش کا کیا مطلب؟ مولانا روم کہتے ہیں کہ میری مراد اس دل سے نہیں جو "مضغۂ گوشت" ہے یہ دل جو دورانِ خون کا باعث ہے یہ تو حیوانات کے سینے میں بھی ہوتا ہے، میری مراد اس لطیفۂ ربانی سے ہے جس کی بدولت انسان کا رابطہ عالمِ لاہوت سے پیدا ہوتا ہے یعنی دل کی حقیقت مادی نہیں ہے بلکہ وہ ایک "لطیفۂ نورانی یا قوتِ روحانی ہے لہٰذا اگر میں تجھ سے کہتا ہوں کہ دل کی تلاش کر لو تو اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ اہلِ دل کی تلاش کر، کیوں کہ انہی کی صحبت کی بدولت یہ نعمت یعنی یہ قوت تجھے حاصل ہو سکتی ہے۔

ساتواں اظہار (مکالمہ نمبر ۲۳ میں) علامہ نے یہ کیا ہے کہ زمانے کا تقاضا یہ ہے کہ انسانوں سے میل جول رکھا جائے اور انسان گوشہ گیری پر مائل نہ رہے لیکن گوشہ گیری کے بغیر شعر میں سوز و گداز پیدا نہیں ہو سکتا، پیر رومی رائے دیتے ہیں کہ گوشہ گیری اور خلوت غیروں سے چاہیے نہ کہ اپنوں سے، پوستین سردی کے موسم میں پہنی جاتی ہے نہ کہ بہار کے موسم میں" (۲۵)

مذکورہ نظم میں مجموعی طور پر چوبیس مکالموں تیرہ سوالات، چار شکوے اور سات اظہار (مختلف حوالوں سے) علامہ نے مولانا روم کے سامنے رکھے جو عصر حاضر کے انتہائی اہم فکری مسائل تھے اور پیر روم نے جوابات دیے (جو کہ اصل میں خود علامہ نے مثنوی معنوی سے انتخاب کر کے جوابات لکھے) جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ نہ صرف فکری حوالوں سے رومی سے متاثر تھے بلکہ ان کی مثنوی پر بھی گہری نظر رکھتے تھے مزید بر آں انہوں نے جابجا رومی کے لئے مختلف تعریفی القابات بھی استعمال کئے۔ ایک جگہ اقبال لکھتے ہیں: رومی کو پڑھنے سے اگر قلب میں گرمیٔ شوق پیدا ہو جائے تو اور کیا چاہیے۔

علامہ اقبال نے اس حقیقت کو اچھی طرح پالیا تھا کہ دورِ حاضر کے فتنوں کا تدارک کسی عامی کے بس کی بات نہیں بلکہ اس کے لئے ہمیں جلا ل الدین رومی کے مکتبِ عرفان کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔۔۔ دونوں عظیم شاعروں میں غیر معمولی "توافقِ فکر" کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دونوں

کے عہد کے سیاسی، مذہبی اور معاشرتی حالات کافی حد تک یکساں تھے، ان دگر گوں حالات کی اصلاح کے لئے دونوں کا سرچشمۂ فکر قرآن مجید تھا۔ دونوں نے جو احیائے فکرِ دینی کے کمالات دکھائے وہ ان کی قرآنی تفہیم کا نتیجہ تھے اسلامی ادبیات کی تاریخ میں رومی اور اقبال ہی وہ شاعر ہیں جنہوں نے فرد کی نفسیات اور اس کی ذات کے استحکام اور ارتقا کو خصوصیت کے ساتھ موضوعِ تحقیق بنایا، دونوں نے نہایت مایوس کن اور خوف ناک حالات میں ملت کی رہنمائی کی۔ علاوہ ازیں یہ بڑے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ رومی اور اقبال نے انفرادی مسائل کے ساتھ ساتھ ملی اور آفاقی مسائل کو بھی مد نظر رکھا اور انھیں حل کرنے کی فکری اور عملی کوشش کیں"(۲۷) اسی لئے علامہ نے بالِ جبریل کے ایک قطعہ بعنوان "یورپ سے ایک خط" میں رومی کے قافلے کا شاہ سوار خود کو ان الفاظ میں کہا ہے:

جس قافلۂ شوق کا سالار ہے رومی　　　　تو بھی ہے اسی قافلۂ شوق میں اقبال (۲۸)

اس کے علاوہ علامہ نے رومی کے مقام، مرتبے، علم وفضل اور بزرگی و تقدس کو ضربِ کلیم کے ایک قطعہ بعنوان "رومی" میں بیان کیا ہے۔ اس بات سے کسی طور انکار ممکن نہیں "کہ رومی کی مثنوی علوم و معارف کا عظیم دائرۂ معارف ہے جو انسانی زندگی اور اس کی رہنمائی کے اہم موضوعات پر محیط ہے اس کا مرکزی نکتہ بازگشت بہ اصل ہے جسے رجوع الی اللہ کہنا چاہیے، رومی کا بیان محض تفکر و تدبر کا حاصل نہیں بلکہ وسیع تجربے اور عمیق مشاہدے کا نتیجہ ہے، قال نہیں حال ہے، حال اس شخص کا جو خام تھا پختہ ہوا اور جل گیا، اس لئے اقبال کہتے ہیں کہ مغربی مادیت کا توڑ بھی رومی کے پاس ہے، اس کے کلام نے مجھے بصیرت عطا کی اور اسی کے فیض سے میں فکر و نظر کی رفعتوں تک پہنچا۔۔ مسلمانوں میں زوال کا ایک باعث یہ ہے کہ وہ رومی کے افکار سے بے گانہ ہو گئے ہیں"(۲۹) بہر حال رومی کے کردار و افکار کے عظیم خزانے سے علامہ نے دانش و حکمت کے جواہر ریزے چن چن کر ان سے اپنی فکر کے قصر عظیم الشان کا کونہ کونہ چمکایا ہے اور اسی چمک کے بل پر دورِ حاضر کے تیرہ و تار افکار اور مادیت کے اندھیروں میں پنہاں اہم فکری مسائل واضح طور پر ساری دنیا کے سامنے لا کر پوری نوع انسانی کو فلاح دارین کا راستہ دکھایا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر بصیرہ عنبریں بحوالہ از تضمینات اقبال، (لاہور، فکشن ہاؤس ۲۰۰۲)، ص،۱۰۷

۲۔ رفیع الدین ہاشمی، جہاد (مضمون) مشمولہ، دائرہ معارف اقبال جلد دوم، (اہور،، شعبہ اقبالیات اورینٹل کالج لاہور، پنجاب یونیورسٹی ،۲۰۰۵ء)، ص،۱۱۳

۳۔ علامہ محمد اقبال، اقبال نامہ، اول، ص،۳۶

۴۔ رفیع الدین ہاشمی، جہاد (مضمون) مشمولہ، دائرہ معارف اقبال جلد دوم، ص، ۱۱۴

۵۔ ڈاکٹر سید محمد اکرام اکرام، قومیت (مضمون) مشمولہ دائرہ معارف اقبال، جلد دوم، ص ۲۹۲

۶۔ ڈاکٹر سید محمد اکرام اکرام، قومیت (مضمون) مشمولہ دائرہ معارف اقبال، جلد سوم، ص،۲۹۷

۷۔ علامہ محمد اقبال، مقالات اقبال، مرتب سید عبد الواحد معینی، (لاہور، آئینہ ادب،۱۹۸۸ء،)ص،۲۰۶

۸۔ ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان، جاوید نامہ، حواشی و تعلیقات، مقالہ برائے پی۔ ایچ، ڈی زیر طبع (لاہور اقبال اکادمی،)ص ۱۶۵

۹۔ ایضاً، ص،۱۰۹

۱۰۔ ایضاً ص، ۱۸۴

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ مولانا غلام رسول مہر، مطالب بال جبریل (لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۷ء،) ص، ۲۹۹

۱۳۔ ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان، جاوید نامہ حواشی و تعلیقات، زیر طبع (لاہور، اقبال اکادمی،) ص، ۲۱۳

۱۴۔ ایضاً ص ۳۵۱

۱۵۔ مولانا غلام رسول مہر، مطالب بال جبریل، ص، ۱۷۶

۱۶۔ ڈاکٹر بصیرہ عنبریں، تضمینات اقبال، ص، ۱۰۷

۱۷۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرح، بال جبریل، (لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، س۔ن،) ص، ۵۵۵

۱۸۔ مولانا غلام رسول مہر، مطالب بال جبریل، ص ۲۷۲

۱۹۔ بحوالہ، اقبال جادو گر ہندی نژاد از عتیق صدیقی، (انڈیا، مکتبہ جامعہ دہلی،) ص، ۲۰

۲۰۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرح، بال جبریل، ص، ۵۵۲

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ محمد اقبال، گفتار اقبال، مرتب محمد افضل رفیق (لاہور، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۷۷ء)، ص، ۲۵۴

۲۳۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرح، بال جبریل، ص، ۵۴۰

۲۴۔ بحوالہ جاوید نامہ، حواشی و تعلیقات، ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان، ص، ۳۶۰

۲۵۔ مولانا غلام رسول مہر، مطالب بال جبریل، ص، ۲۷۳

۲۶۔ علامہ محمد اقبال، اقبال نامہ، اول، مرتب شیخ عطاءاللہ، (لاہور، ناشر محمد شیخ محمد اشرف اینڈ سنز، ۱۹۴۴ء)، ص، ۲۷

۲۷۔ ڈاکٹر عبدالشکور احسن، رومی (مضمون) مشمولہ دائرہ معارف اقبال جلد دوم، ص، ۳۹۳

۲۸۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو، مرتب فضلی سنز کراچی، اشاعت ہفتم نومبر ۲۰۱۱ء، ص، ۵۸۷

۲۹۔ ڈاکٹر عبدالشکور احسن، رومی (مضمون) مشمولہ دائرہ معارف اقبال جلد دوم، ص، ۳۹۱